تقلید

پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولانا یحییٰ نعمانی

نام کتاب: تقلید پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

نام مصنف: مولانا یحییٰ نعمانی

صفحات: ۴۰

قیمت:

ملنے کے پتے:

پیش لفظ

غالباً آپ سب حضرات واقف ہوں گے کہ ادھر چند سالوں سے نا واقف اور سیدھے سادھے عوام میں تقلید اور چاروں مسلکوں خصوصاً حنفی مسلک کو چھوڑنے اور غیر مقلدین کے مسلک اور طریقے کو اختیار کرنے کی پرزور دعوت دی جارہی ہے۔ اس طرح امت میں ایک نیا فتنہ کھڑا ہو گیا ہے اور اس نے ایک تشویش ناک الجھن کی شکل اختیار کرلی ہے۔ سیدھے سادے نا واقف مسلمانوں میں اس قدر ذہنی انتشار پھیلایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی آبادی اس مسئلے پر اختلاف وانتشار اور مباحثوں سے خالی نہیں بچی۔ گاؤں گاؤں میں جلسے کیے جارہے ہیں۔ غلو کے شکار یہ انتہا پسند عوام میں یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ چار فقہی مسلک (جن کو مسالک اربعہ کہتے ہیں) کی جس تقلید پر تقریباً تمام مسلمان صدیوں سے قائم ہیں، یہ سراسر باطل، حرام بلکہ شرک ہے۔ اور تقلید کرنے والے سارے مسلمان مشرک کافر ہیں۔ یوں تو یہ تحریک برصغیر میں ایک صدی سے زائد عرصے سے موجود ہے لیکن بعض خاص اسباب کی بنا پر، جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں، گزشتہ دو تین دہائیوں سے اس کی وسعت اور سرگرمی میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ بے شمار رسائل اور پمفلٹ شائع اور عوام میں تقسیم ہورہے ہیں اور خاص طور سے جوانوں کو ہدف بنایا جارہا ہے۔

ہمارے جو بے پڑھے لکھے یا بہت کم پڑھے لکھے لوگ سعودی عرب میں محنت مزدوری کرتے ہیں وہ اس فتنے کا آسان شکار بنتے ہیں۔ سعودی حکومت کا ایک عرصے سے خاص مشن ہی یہ رہا ہے کہ وہ دین کی ہر اس مثبت دعوت کو نقصان پہونچائے جو امت میں دینی بیداری اور حمیت

پیدا کرے۔(مصر میں مسلمانوں کے قتل عام میں اسرائیل اور امریکہ کے ایجنٹوں کی علانیہ مدد سعودی حکومت ہی نے کی ہے، اور اسی کی کوششوں سے مصر میں مسلمانوں کی حکومت گرا کر یہودی سیسی اور عدلی منصور کی حکومت قائم ہوئی ہے، اور سعودی حکومت اس کا اعتراف کرتی ہے) اسلامیت کو کمزور کرنے کے اسی مقصد سے وہاں امت میں تفریق پیدا کرنے والی اس دعوت کو بہت فروغ دیا جارہا ہے جو امت کے سارے علماء اور دینی جماعتوں کو گمراہ کہتی ہے اور عوام کو ہر مثبت اور تعمیری دینی کام سے روکتی ہے۔خود وہاں کے علماء اور مخلصین اس صورت حال سے ہماری طرح ہی پریشان ہیں۔سعودی عرب میں کام کرنے والے ان لوگوں میں نام نہاد علماء کی تقریریں کرائی جاتی ہیں اور ان کا مسلک بدلوایا جاتا ہے، اور پھر جب وہ اپنے وطن واپس آتے ہیں تو باقاعدہ ان کے پیچھے یہاں کے فتنہ گر لگ جاتے ہیں، اور بس ایک ہی کام ہے کہ لوگوں کو حنفی مسلک سے ہٹا کر غیر مقلد بنایا جائے۔

گزشتہ سال اس کم علم کے قلم سے ''تقلید اور مسلکی اختلاف کی حقیقت'' نامی ایک کتاب نکلی۔ میں نے مسئلے کو نہایت منصفانہ اور غیر جذباتی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ پوری کتاب کا حاصل یہ تھا کہ:

۱- عوام کے لیے اختلافی فقہی مسائل میں تقلید ہی دین پر عمل کا فطری راستہ ہے، وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔

۲- اسی لیے صحابۂ کرام سے لے کر آج تک مسلمان تقلید کرتے آئے ہیں۔

۳- چاروں مسلکوں میں سے کسی ایک کی تقلید تمام محدثین اور امت کے تمام مقبول علماء نے کی ہے۔

۴- ائمہ کے ان اختلافات کا سبب خود قرآن اور حدیث ہیں، ان میں ان تمام رایوں کی گنجائش رکھی گئی ہے اسی لیے آج تک کسی معتبر عالم نے کسی کو اپنے مسلک پر عمل سے نہیں روکا۔ یہ تو صرف چند جذباتی یا پھر جاہلوں کا کام ہے کہ وہ اپنی رائے کو ہی صحیح اور اماموں کی رائے کو غلط کہتے ہیں۔

الحمد للہ محض اللہ کی مدد سے کتاب میں یہ باتیں اتنی طاقت ور دلیلوں کے ساتھ آ گئی ہیں کہ اب کسی کے لیے اس کی گنجائش نہیں بچی ہے کہ وہ تقلید کے خلاف اس دعوت کو اہل سنت کا طریقہ قرار دے سکے۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب کو مقبولیت بھی بہت عطا کی، میرے بڑوں نے بھی اس کو پسند کیا اور دوستوں نے بھی۔ کتاب کی تیاری اگر ایک بزرگ حضرت مولانا عبد القوی حیدر آبادی دامت برکاتہم کی توجہ وطلب کی مرہون منت ہے تو اس کی مقبولیت میں خال معظم حضرت مولانا سجاد نعمانی دام مجدہم السامی کی قدر افزائی کا بڑا حصہ ہے، جنہوں نے مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر اس کی توسیع اشاعت کی خاص فکر فرمائی۔

اس کتاب کی یہ تسہیل وتلخیص اس خیال کے پیش نظر کی گئی ہے کہ اس فتنہ انگیز اختلاف کا اصل شکار کم علم نوجوان ہی زیادہ ہو رہے ہیں۔ ان کے لیے میری پچھلی کتاب کسی قدر علمی اور مشکل ہے۔ اس رسالے میں بڑے عام فہم انداز اور سادی زبان میں مسئلے کو واضح کر دیا گیا ہے۔

مسئلے کی فکر رکھنے والے جو حضرات بھی اس رسالے کو شائع کرنا چاہیں تو ان کو اس کی مکمل اجازت ہے، بلکہ راقم کے لیے ان کا یہ عمل خوشی کا باعث ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور اس میں نفع رکھ دے۔

ہیچمدان: یحییٰ نعمانی

تقلید اور مسالک اربعہ
پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

آپ حضرات واقف ہیں کہ تقلید کا مسئلہ اس وقت بہت سے لوگوں کے لیے شدید الجھن اور اختلاف کا مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ سیدھے سادھے اور دین کا کم علم اور سمجھ رکھنے والے بہت سے لوگ خصوصاً نوجوانوں کی ایک تعداد اس ذہنی الجھن میں مبتلا اور پریشان ہے کہ وہ اپنے نماز روزہ جیسے دینی اعمال میں کیا طریقہ اختیار کریں؟ ہمارے ہندوستان میں انہوں نے جن علماء اور دین کے داعیوں کو دیکھا ہے وہ حنفی مسلک کے مطابق شریعت پر عمل کرتے ہیں، انہوں نے عوام کو اسی کے مطابق نماز روزہ سکھایا ہے اور ان کے ملک اور معاشرے میں اسی کا ماحول ہے۔ اس دوران اچانک کچھ لوگ ان سے کہتے ہیں کہ:

۱- تم جس طرح نماز پڑھتے ہو اور دین کے دیگر شعبوں میں جس طریقے پر عمل کرتے ہو وہ غلط ہے، حدیث کے خلاف ہے۔

۲- جب تم اللہ کے رسول پر ایمان لائے ہو تو ان کی کیوں نہیں مانتے؟ اور قرآن وحدیث چھوڑ کر مسلکوں کی اتباع کیوں کرتے ہو؟

۳- تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کی بات مان کر شرک کرتے ہو۔

۴- یہ بخاری مسلم اور دیگر حدیث کی کتابیں موجود ہیں مگر تمہارے علماء تم کو قرآن حدیث کے بجائے گمراہی کے راستے پر لے کر چل رہے ہیں اگر تم کو صحیح دین پر اور نجات کے راستے پر چلنا ہے تو ہماری مانو ہم تم کو قرآن اور حدیث کے مسلک پر چلائیں گے اور یہ لوگ ابوحنیفہ اور شافعی کے مسلک پر۔

اب ایک عام سیدھا سادہ مسلم نوجوان جس کی دینی معلومات کا حال افسوسناک حد تک کمزور ہوتا ہے، شاید اس کو پوری نماز بھی ٹھیک سے یاد نہ ہو، عجیب الجھن اور بے اطمینانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس پر اعتماد کرے؟ کس کی مانے؟ اور کیسے اپنے دین و مذہب پر اعتماد کے ساتھ چل سکے؟

اس صورت حال کے نتیجے میں پھر بحثیں شروع ہوتی ہیں، دونوں گروہ ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں، ایک دوسرے کے دین و ایمان کی بخیئیں ادھیڑی جاتی ہیں، الزامات واتہامات کی بارش ہوتی ہے، غل غپاڑہ ہوتا ہے اور آپس میں عداوت و دشمنی کی وہ جہنم دہکتی ہے جس کی تپش سے وہ بھی نہیں بچ پاتے جو اس اختلاف و جنگ سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس صورت حال کے یہ دو نہایت نامبارک نتائج ہوتے ہیں:

ایک عوام کی وہ ذہنی الجھن و پریشانی جس کا اوپر تذکرہ آیا۔

اور دوسرا یہ آپسی رنجش اور دلوں کی پھٹن جو نفرت و عداوت اور امت میں تفریق کے خطرناک گناہ تک پہونچتی ہے۔

ایک عام آدمی کی ضرورت ہے کہ اس مسئلے کو سیدھے سادے انداز میں اس طرح سمجھایا جائے کہ اس کو حق کی راہ پر قلبی اطمینان ہو جائے اور وہ اس بارے میں یکسو ہو جائے کہ اسے اپنے دین پر عمل کیسے کرنا ہے، تاکہ فساد اور لادینیت کی اس دنیا میں وہ اپنی ذات کی اصلاح اور اپنے اور اپنے گھر والوں اور ماحول میں تقوے والی زندگی پیدا کرنے کے کام کی طرف توجہ کر سکے۔ اور اللہ کی توفیق سے نفرت و اختلاف کی خلیج بھی پاٹی جا سکے۔

آیئے! تقلید اور مسلکی فقہی اختلاف کے مسئلے پر کچھ غور کرتے ہیں!

ایک ضروری بات:

ہر قسم کے دینی اختلاف کے مسئلے میں غور کرنے سے پہلے یہ خوب سوچ لینا چاہیے کہ ہم کو کسی قسم کے تعصب اور گروہ بندی سے کام نہیں لینا ہے۔ ہم اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں، ہمارا اصل مقصد اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور دین کی خیر خواہی ہے۔ ہمیں وہی رویہ اختیار کرنا ہے اور اسی راہ پر چلنا ہے جس میں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہو۔

ایک عام تجربہ یہ ہے کہ جب آدمی کسی مسلک یا رائے کو اختیار کر لیتا ہے اور اس کی وکالت کرنا اور اس کی تبلیغ ودعوت شروع کر دیتا ہے تو ہم سب کا تجربہ ہے کہ عموماً وہ اس مسئلے پر ایک حق کے متلاشی اور طالب شخص کی طرح سے سوچنے پر تیار نہیں ہوتا اور کسی بات پر انصاف اور سچائی کے ساتھ غور نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا حال ایک وکیل کا سا ہو جاتا ہے جو بہر صورت اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے اور جس کی اصل خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ بہر حال کسی نہ کسی طرح مقدمہ جیت ہی جائے۔ ایسا شخص پہلے سے قائم کی ہوئی اپنی رائے کے خلاف اگر کچھ سنتا ہے یا پڑھتا ہے تو وہ اسی خیال کے ساتھ پڑھتا ہے کہ مجھ کو اس کا کیا جواب دینا ہے اور کیسے بات بنانی ہے۔ یہ طریقہ اس کے لیے حق کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔

اس لیے ہم کو اس کا خاص خیال رکھنا ہے کہ ہم سے یہ غلطی نہ ہو۔ ہم ایک سچے حق کے طالب کی طرح اس پوری گفتگو پر غور کریں، اور اللہ کی رضا اور اس کے دین اسلام اور امت کی مصلحت ہی کو اپنا اصل مقصد بنائیں۔ اور اپنے دل ودماغ کو ہر قسم کے منفی (Negative) خیالات وجذبات سے مکمل خالی کر کے اس تحریر کو پڑھیں۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ تقلید اور مسلکی اختلاف کا مسئلہ ایک خالص علمی مسئلہ ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''تقلید اور مسلکی اختلاف کی حقیقت'' میں اس پر کافی تفصیلی بحث کر کے اپنے علم واندازے کی حد تک اُس سیدھے معتدل مسلک کی پوری وضاحت اور وکالت کی ہے جس کے ہمیشہ سے یعنی صحابہ سے لے کر آج تک اہل سنت اور ان کے ائمہ اور علماء قائل رہے ہیں۔ تفصیلی علمی بحث کے لیے تو اسی کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ الحمد للہ اس نے کسی حق کے طالب کے

لیے شبہہ کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ یہاں مسئلے کو اس طرح واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس الجھن اور پریشانی سے باہر آسکے جو گہری علمی باتیں نہیں سمجھ سکتا۔

چند نقاط (Points) پر غور فرمائیے، مگر پوری بات سرسری اور بے توجہی کے مطالعے سے سمجھ میں نہیں آئے گی یا کم آئے گی، اس لیے ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ تنہائی میں اور غور کے ساتھ مطالعہ کریں۔

تقلید کا مطلب کیا ہے؟

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں واضح رہنی چاہیے کہ تقلید کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی امام یا عالم کی اطاعت کی جائے۔ چاروں مسالک کی اتباع کرنے والے ہرگز ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اماموں اور علماء کی اطاعت ان کے لیے ہر حال میں ضروری ہے۔ اور نہ تقلید کا مطلب یہ ہے کہ ان علماء کی بات اگر قرآن اور حدیث کے خلاف ہوگی تب بھی ان کی بات مانی جائے گی۔ یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ چاروں مسالک میں سے کسی پر چلنا اللہ اور رسول کی مخالفت یا ان کے علاوہ کسی اور کی اطاعت ہے، یہ صرف جھوٹ اور مغالطہ آرائی ہے۔

بلکہ تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جہاں قرآن اور حدیث کی بات بالکل قطعی اور واضح نہ ہو یا حدیثوں میں اختلاف ہو اور تعارض (ٹکراؤ، Contradiction) نظر آتا ہو، ایک حدیث سے ایک بات معلوم ہوتی ہو اور دوسری سے اس کے خلاف، یا کوئی اور ایسی ہی بات ہو جس کی وجہ سے صحابۂ کرام اور ان کے بعد دین کے اماموں اور امت کے علماء میں اختلاف چلا آرہا ہے اور ایک عام آدمی اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ان میں سے کس کی بات زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح ہے، تو وہ ایسی باتوں میں کسی امام یا عالم کی بات پر اعتماد کر کے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلنے کی کوشش کرے۔

اب جب آپ یہ سمجھ گئے کہ تقلید صرف شریعت کے اس ایک خاص حصے میں کسی امام یا

عالم کے علم پر اعتماد کر کے اس کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نام ہے۔۔۔۔تو اب اگلی بات یہ سمجھیے کہ ایک عام آدمی کو شریعت کے اس حصے میں کسی عالم یا امام کی تقلید کیوں کرنی پڑتی ہے اور وہ کیوں براہ راست قرآن وحدیث پر عمل نہیں کر سکتا؟؟

اسلامی شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں:

(۱) پہلی قسم کے دائرے میں وہ مسائل آتے ہیں جن کے بارے میں اللہ اور رسولؐ کی بات ایسی واضح اور دوٹوک الفاظ میں آئی ہے کہ جن کے معنی سمجھنے میں کسی عام عقل وفہم رکھنے والے کو بھی کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ نیز اس میں قرآن وحدیث کی عبارتوں میں کوئی ظاہری قسم کا اختلاف اور تعارض (ٹکراؤ) بھی نہیں ہے۔ دین کے ایسے مسائل میں امت میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کا اعتبار کیا جائے۔ ایسے ہی شرعی احکام دین کا اصل بنیادی اور مرکزی حصہ ہیں۔خوب جان لیجیے کہ اس پہلی قسم میں کسی کی تقلید نہیں کی جاتی۔ ان احکام میں کوئی کسی کا مقلد نہیں اور نہ کوئی کسی مسلک پر چلتا ہے، نہ کوئی حنفی ہے نہ شافعی یا حنبلی۔ ہر آدمی براہ راست اللہ اور اس کے رسول کے اس حکم کو مانتا ہے جو اس کو پہنچتا ہے۔

(۲) دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں یا تو قرآن وحدیث کے الفاظ میں ایک سے زائد معنی کی گنجائش اللہ اور اس کے رسول نے خود چھوڑی ہے۔ یا اس سلسلے میں حدیثوں میں باہم کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، ایک سے ایک بات معلوم ہوتی ہے اور دوسری سے کچھ اور۔ ان احکام کی تعداد اگرچہ کافی زیادہ ہے لیکن یہ دین میں وہ بنیادی درجہ اور جوہری مقام نہیں رکھتے جو پہلی قسم کے احکام رکھتے ہیں۔ اور اسی بنا پر ان میں صحابۂ کرام کے زمانے سے ہی فقہی اختلاف چلا آیا ہے۔ اور آج تک کسی ایک رائے پر اتفاق ممکن نہیں ہوسکا ہے۔ واضح رہے کہ حدیثوں میں بہت اختلاف ہوتا ہے، اور شروع سے ہی یعنی بخاری مسلم کے لکھے جانے سے بھی پہلے سے علماء کو حدیثوں کے اختلافات کو حل کرنے پر کتابیں لکھنی پڑی ہیں۔

اس دوسری قسم میں جب کہ دلائل میں ایک سے زیادہ پہلوؤں کی گنجائش ہے اور علماء اور

ائمہ میں اختلاف ہے، ایک عام آدمی جو خود قرآن وسنت اور فقہ کا گہرا اور وسیع علم نہیں رکھتا، وہ کیسے جانے کہ اس کو کیسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی اور شریعت کے حکموں پر چلنا ہے؟ اس کے لئے فطری طور پر بس یہی ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے عالم کی رائے پر عمل کرلے جس کے علم اور تقویٰ پر اس کو اعتماد ہو۔ اب آپ سوچیے! مسلمانوں کی غالب تر اکثریت کو عربی زبان بھی نہیں آتی اور جن کو آتی بھی ہے انہوں نے شرعی علم با قاعدہ حاصل نہیں کیا، ان کے لئے قرآن اور حدیث کے ان اختلافی مسائل میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلنے کی ایک ہی شکل ہے کہ وہ کسی عالم کی رائے پر عمل کرلیں۔ بس یہی تقلید ہے۔

اس سیدھی اور واضح حقیقت پر مغالطہ آرائی کرنا اور یہ شور مچانا کہ دین کا ماخذ تو صرف قرآن وسنت ہیں، ہم کو صرف ان کی ہی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ تقلید میں اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں مسالک اور ائمہ کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے، سب ایسی بے محل باتیں ہیں جو کوئی انصاف سے محروم شخص ہی کہہ سکتا ہے جو یا تو ناسمجھ ہو یا اپنے تعصب کی وجہ سے امت میں فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہو۔

بہرحال مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کتاب وسنت کی ماننی ہے یا اماموں کی؟ یقیناً کتاب وسنت ہی کی اتباع کرنی ہے، اور صرف انہی کی بات کو اللہ کا حکم ماننا ہے۔ لیکن جہاں کتاب وسنت میں اختلاف ہو وہاں کیا کرنا ہے؟ یا جہاں حدیثیں الگ الگ طرح کی ہوں وہاں کیا کرنا ہے؟ عوام کو جو چاہے پٹی پڑھا لیجیے، مگر علماء جانتے ہیں کہ حدیثوں میں کتنا اختلاف ہے۔ یہاں حنفی شافعی بھی یہی کرتے ہیں اور اہل حدیث بھی کہ کسی معتبر عالم کی بات کے مطابق شریعت کی اتباع کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی تو تقلید ہے۔

سارے مسالک کے علماء تقلید کی یہی حقیقت بتاتے ہیں، ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہؐ کے قول کے بجائے کسی امام یا کسی عالم کی بات بذات خود دلیل ہے یا بذات خود اس کی اتباع فرض اور واجب ہے۔ علماء کی ایسی عبارتوں سے اصول فقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، جن میں انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ تقلید صرف ان مسائل میں کی جاتی ہے جہاں قرآن اور حدیث

کی رو سے الگ الگ رائے قائم کی جاسکتی ہے، اور صحابۂ کرام اور ائمۂ اسلام کا اختلاف چلا آیا ہے، ایک عام آدمی چاہے کچھ کر لے وہ خود تحقیق کر کے ذاتی رائے قائم نہیں کرسکتا، تو اس کا فرض یہی ہے کہ وہ کسی امام یا عالم کی بات پر عمل کر لے۔

یہ اختلافی مسائل دین کا بنیادی حصہ نہیں:

یہاں ایک بات یہ خاص سمجھنے کی ہے کہ ان اختلافی مسائل کی تعداد اگرچہ کافی زیادہ ہے، مگر ان کا دین میں وہ اہم اور بنیادی مقام نہیں ہے جو پہلی قسم کا ہے۔ اور نہ ان میں اختلاف سے انسان کفر یا گمراہی کا شکار ہوتا ہے۔ بلکہ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ امت کے سارے علماء کا اتفاق ہے کہ ان میں اختلاف کے باوجود آدمی اہل سنت اور حق پر قائم رہتا ہے۔ ان میں اختلاف کے باوجود صحابۂ کرامؓ اور اسلام کے سارے ائمہ دوسروں کو حق پر تسلیم کرتے رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وہ سب سے بڑی شخصیت ہیں جن کے ہمارے غیر مقلد حضرات قائل اور معترف ہیں۔ ہم یہاں ان کی ایک عبارت نقل کریں گے:

> متنازع فیہ مسائل میں (یعنی جن میں فقہی اختلاف تھا ان میں) صحابۂ کرام کا اتفاق رہا ہے کہ ہر فریق نے دوسرے کو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے دیا ہے۔ جیسے کہ عبادات، نکاح وطلاق، میراث، عطایا، سیاست، وغیرہ دیگر شعبوں کے احکام ......صحابہ کرام کی حیثیت دین کے ایسے ائمہ کی ہے جن کے بارے میں صحیح وثابت نصوص (حدیث) کی شہادت ہے کہ وہ کبھی کسی باطل یا گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتے۔ اور کتاب وسنت نے ان کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ، ۱۹/۱۲۲)

ابن تیمیہؒ کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کا اتفاق ہے کہ ان اختلافی مسائل میں ہر جماعت دوسرے کو اس کی رائے اور مسلک پر عمل کرنے دے، اس پر صحابہ کا اتفاق ہے۔ اور رسول اللہؐ کی حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ جس بات پر اتفاق کرلیں وہ غلط نہیں ہوسکتی۔ اور کتاب

وسنت نے ان کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے۔اب آپ خود غور کر لیجیے کہ اس وقت کون لوگ حق پر اور صحابہ کے طریقے پر ہیں؟ جو ان اختلافی مسائل میں ائمہ کی بات کو غلط کہہ کہہ کر امت میں فتنہ واختلاف پھیلا رہے ہیں، یا وہ جو ائمہ کے تمام مسالک کو قابل عمل جانتے ہیں؟؟

عوام کے لیے تقلید ضروری ہے:

آپ بخوبی جان چکے ہیں کہ عوام کے لیے تقلید ضروری ہے، ان کے لیے اختلافی فقہی مسائل میں شریعت کی اتباع کا یہی راستہ ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید واتباع کریں۔ یہ دھوکہ ہے اور فریب کہ ایک رسالہ پڑھ کے ائمہ کے اختلاف میں صحیح غلط کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔علماء نے فقہی اختلاف کے مسائل میں بڑی لمبی لمبی بحثیں کی ہیں، ایک ایک جزوی مسئلے میں پوری پوری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ان بحثوں کو سمجھنے کے لیے باقاعدہ علم حاصل کرنا ضروری ہے۔عوام تو کیا آج کل کے عالمیت کی ڈگریاں رکھنے والوں میں سے ان بحثوں کو سمجھنے والے دو چار فیصد سے زائد نہیں ہو سکتے۔اب اگر تقلید نہ کی جائے تو ہر مسلمان پر ضروری ہوگا کہ وہ اپنی عمر اسی میں صرف کرے۔پھر مسلمانوں میں نہ کوئی مزدور ہوگا نہ کسان، نہ تاجر نہ ٹیلر، نہ ڈاکٹر نہ انجینیر، سب علم دین حاصل کرنے میں ۱۵۔۱۵، ۲۰۔۲۰ سال لگائیں گے اور اس کے بعد ایک ایک مسئلے کی تحقیق میں دس دس کتابیں پڑھیں گے؟؟

حدیث کے مشہور امام خطیب بغدادی شافعی فرماتے ہیں کہ: ''اجتہادی مسائل'' وہ ہیں جن میں کسی ایک رائے تک پہنچنے کے لئے استدلال واستنباط کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے عبادات اور معاملات ومعاشرت کے جزئی شرعی احکام، ان میں تقلید جائز ہے۔اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''تم اگر خود نہ جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھ لو''۔اس لئے کہ اگر ہم ان فروعی مسائل میں بھی تقلید سے منع کریں گے تو عوام تک پر علم دین کی تحصیل میں مشغول ہو کر ان مسائل کا (تفصیلی) علم حاصل کرنا ضروری ہوگا (اور اس کے لئے عمریں درکار ہیں) اور پھر زندگی کا کاروبار ختم اور کھیتی کسانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔لہٰذا اس کا تو حکم نہیں دیا جاسکتا'' (الفقیہ

والمتفقه :۱/۴۱۶)۔

اجتہادی مسائل اوران کی آسان پہچان:

علماء کی اصطلاح میں ان فقہی اختلافی مسائل کواجتہادی مسائل کہتے ہیں۔اب رہا یہ سوال کہ کون سے مسائل ایسے اجتہادی مسائل ہیں، کہ ان میں اختلاف کی گنجائش ہے؟ اس کی سب سے یقینی پہچان یہی ہے کہ سلف کے ائمہ کا ان میں اختلاف ہواور بعد میں بھی علماء ان میں کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہوسکے ہوں۔آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جب ائمہ میں اختلاف ہے اورایک دوسرے کے دلائل کے سامنے آنے کے باوجود بھی کوئی اپنی رائے سے نہیں ہٹا تو یہ اس کی صاف اور یقینی علامت ہے کہ وہ مسئلہ اجتہادی اختلاف کا مسئلہ ہے۔اس میں کسی کو غلط اور باطل کہنا سلف اورائمہ اہل سنت کے طریقے کے خلاف ہے۔

یہ بات کہ امت کے اہل علم باوجود اخلاص،تقویٰ اورعلم اور سمجھ کے اگر کسی بات پر متفق نہیں ہوسکے، ہرایک نے اپنے دلائل بار بار سامنے رکھے اوراس پرصدیاں گزر گئیں تو یہ اس کی یقینی علامت ہے کہ یہاں قرآن وحدیث کی بنیاد پراوران کی روشنی میں دونوں رایوں کی گنجائش ہے۔کسی انسان کے پاس اگر بقدر ضرورت بھی عقل سلیم ہواوراس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو تعصب اورگروہ بندی ماؤف نہ کرچکی ہو،تو اس میں اس کو کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔مگر ہم سب جانتے ہیں جب انسان پر گروہ بندانہ نفسیات اور تعصب کا مزاج غالب آجاتا ہے تو وہ یہی نہیں اس سے بھی زیادہ بدیہی اور یقینی باتوں کا پوری شدت کے ساتھ انکار کرتا ہے۔

فقہی اختلاف کا اصل سبب حدیث سے ناواقفی نہیں:

جیسا کہ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ دنیا کے معاملات میں بھی نہایت سمجھ دار لوگ پوری واقفیت کے باوجود الگ الگ رائیں رکھتے ہیں،اوران میں اتفاق نہیں ہو پاتا۔اسی طرح فقہی مسائل میں بھی اکثر اختلاف کی بنیاد سوچنے کے طرز اور سمجھنے کے انداز کا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ چند مسائل میں ائمہ کو کوئی حدیث شاید نہ پہونچی ہومگر ان کے بعد زمانہ

گزرتا گیا اور سارے فریق ایک دوسرے کے سامنے اپنے دلائل رکھتے گئے، حدیث کی کتابیں لکھی گئیں اور عام ہوئیں، ہر مسلک کے بے شمار علماء نے اپنے اپنے مسلک کے دلائل لکھے، اور پھر بھی اختلاف اگر باقی ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ مسئلے میں اختلاف کی حقیقی گنجائش ہے۔ اگر کوئی رائے واضح طور پر صحیح اور دوسری غلط محسوس ہوتی تو بعد کے علماء جن میں بڑے بڑے ائمہ اور محدثین ہوئے ہیں وہ حق کی طرف رجوع کر لیتے۔

بلکہ ایسا بہت ہوا ہے کہ کسی امام نے مثلاً امام ابوحنیفہ نے اپنے نزدیک دلائل کی روشنی میں کوئی رائے قائم کی لیکن بعد میں حنفی مسلک کے علماء کو وہ رائے صاف کمزور نظر آئی تو انہوں نے امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف فتویٰ دیا، اور پھر حنفی مسلک وہی قرار پایا جو بعد کے علماء کے نزدیک زیادہ صحیح تھا۔ ہر زمانے میں ایسا ہوتا آیا ہے۔

صحابۂ کرام بھی تقلید کرتے تھے:

بہر حال قرآن اور حدیث سے مسائل کو اخذ کرنا اور ان اختلافی مسائل میں اپنی کوئی رائے قائم کرنا بڑے اونچے مرتبے کے اہل علم کا کام ہے۔ عام آدمی تو دور کی بات ہے اچھے خاصے علماء بھی اس لائق مشکل سے ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا تقلید تو ہمارے لیے شریعت پر عمل کی ایک فطری ضرورت ہے اور اس کا انکار سوائے ضد کے کچھ اور نہیں۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام ہی کے دور سے تقلید کا رواج ہو گیا تھا۔ لوگ علماء سے مسئلہ پوچھتے تھے اور علماء صحابہ ان کو بغیر قرآن وسنت کی دلیل بتائے صرف فتویٰ اور مسئلہ بتا دیتے تھے۔ اور چونکہ عوام اجتہادی اور اختلافی مسائل کو اور ان میں لمبی لمبی بحثوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے، اس لئے وہ بھی ان علماء کے اعتماد پر اس مسئلہ کو مان لیتے تھے۔ اور تقلید اسی کو کہتے ہیں کہ اپنی کم علمی کی وجہ سے کسی عالم کی بات کو دلیل جانے بغیر مان لیا جائے۔ صحابۂ کرام سے کئے جانے والے فقہی سوالات اور ان کے فتاویٰ کی ایک بہت بڑی تعداد حدیث کی کتابوں خصوصاً موطا امام مالک، کتاب الآثار، مصنف ابن ابی شیبہ، وغیرہ میں موجود ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان میں کم از

کم نصف تعداد ایسی ہے جن میں انہوں نے صرف فتویٰ دیا ہے اور اس کی دلیل ذکر نہیں کی۔ اب غور کیجیے کہ سننے والا آدمی اس عالم کے فتوے اس لیے مانتا تھا کہ وہ اس کے علم پر اعتماد کرتا تھا۔ اور یہی تقلید کی حقیقت ہے۔ حدیث کی کتابوں سے ہم نے اس کی کئی مثالیں تقلید کے مسئلے پر اپنی اس کتاب میں ذکر کی ہیں جس کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔

صحابۂ کرام کی تقلید ایسی واضح حقیقت ہے کہ اس کا کوئی معمولی عالم بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ممتاز سلفی عالمِ ربانی شیخ محمد بن صالح العثیمین (جن کا مقام سعودی علماء کے یہاں شیخ ابن بازؒ کے بعد سب سے بڑا رہا ہے) صاف فرماتے ہیں:

التقليد في الواقع حاصل من عهدالصحابة رضى الله عنهم و لا شك ان من الناس في عهدالصحابة و الىٰ عهدنا هذا من لا يستطيع الوصول الى الحكم بنفسه لجهله و قصوره، و وظيفة هذا ان يسأل اهل العلم و سؤال اهل العلم يستلزم الاخذ بما قالوا، و هو التقليد. (فتاویٰ نور علی الدرب: ۲/۲۲۰)

حقیقت یہ ہے کہ تقلید عہد صحابہؓ سے موجود ہے......کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ کے دور میں لوگوں کی ایک تعداد ایسی تھی کہ جو خود حکم شرعی تک نہیں پہنچ سکتی تھی، اس لئے کہ وہ علم نہیں رکھتے تھے ایسے لوگوں کا فریضہ یہی تھا کہ اہل علم سے پوچھ کر مسئلہ پر عمل کریں۔ اور یہی تقلید ہے۔

چار فقہی مسلک اور ان کی تقلید

اوپر کی تفصیل سے تقلید کی حقیقت اور ایک مسلمان کے لیے اس کی ضرورت بھی واضح ہو گئی نیز یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ صحابہ کے زمانے سے آج تک تقلید ہی کے ذریعے مسلمانوں نے دین کی اتباع کی ہے۔

اب ہم چار مسلکوں (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی مسلکوں) کی تقلید کے بارے میں کچھ گفتگو

کریں گے۔ایک عام سادہ آدمی کے ذہن میں سوال آتا ہے کہ یہ چار مسالک کیسے بنے؟ اسلامی فقہ کی تاریخ سے ناواقف لوگ یا عوام کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھانے والے مسلکی داعی ایک عجیب جاہلانہ شبہہ پیدا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب رسول ایک تو چار مسلک کہاں سے آگئے؟

امت میں یہ چار مسلک کیسے وجود میں آئے اس کی تاریخ پر بہت اختصار سے کچھ روشنی ڈالی جارہی ہے۔

رسول اللہؐ کے انتقال کے بعد جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مدینہ سے دور دراز علاقوں میں اسلام پھیلا، تو علماء وفقہاءِ صحابہ دین اور علم کی نشر واشاعت کے لئے دور دراز شہروں میں بھیجے گئے۔ جن مسائل میں آج مسلکی اختلاف ہے عموماً ان میں ان صحابہ کی بھی الگ الگ رائیں تھیں۔ یہ صحابہ وہاں گئے تو انہوں نے اپنے مسلک کے مطابق وہاں کے لوگوں کو تعلیم دی اور احادیث کی اپنے نقطۂ نظر (Point of View) کے مطابق تشریح کی۔ آدمی اپنے بڑوں کی سوچ سے متأثر ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقے کے اکثر علماء کا طرز فکر اپنے علاقے کے صحابہ سے متاثر ہوا۔ اور پہلی صدی ہجری سے ہی الگ الگ علاقوں کے الگ الگ فقہی مسلک بن گئے، مثلاً مدینے کا مسلک، کوفے کا مسلک، مکہ کا مسلک اور شام کا مسلک۔ یہ گویا امت میں الگ الگ فقہی مسالک اور مکاتب فکر کا آغاز تھا۔

صحابہ کے دور میں متعین مسلک کی تقلید:

بہرحال یہاں یہ بات نوٹ کرلیجیے کہ الگ الگ علاقوں کے الگ الگ فقہی مسلک پہلی صدی ہجری میں ہی قائم ہوگئے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تقلید پر اپنے رسالے عقد الجید میں لکھا ہے کہ صحابۂ کرام کے دور میں ہی اس مثبت اور حکیمانہ رویہ کی بھی بنیاد پڑگئی تھی کہ ہر علاقے کے لوگ اپنے علاقے کے کسی ایک عالم یا اپنے علاقے کے رائج مسلک کی ہی تقلید کریں۔

فقہاء کے اقوال اور سلف کے فقہی ورثہ پر جس کی تھوڑی سی بھی نظر ہوگی، وہ اس کی

تصدیق کرے گا۔ مثلاً بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مدینہ کے عالم صحابی حضرت زید بن ثابتؓ کے درمیان اختلاف تھا۔ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے وہ مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا۔ (اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حوالہ کے طور پر حدیث کی دلیل بھی دی۔) مگر اہل مدینہ نے کہا:

لا ناخذ بقولک و ندع قول زید (صحیح بخاری، ۱۷۵۸)

ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے۔

اس لیے کہ اہل مدینہ یہ سمجھتے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے امام اور عالم حضرت زید بن ثابت اس سے بھی طاقتور کوئی دلیل رکھتے ہوں یا ان کے نزدیک اس حدیث کا مطلب کچھ اور ہو۔ اس لیے انہوں نے حدیث کا حوالہ ملنے کے باوجود اپنے عالم حضرت زید بن ثابت سے رابطہ کرنا اور سوال کرنا ضروری سمجھا۔ اس لیے کہ ان جزئی فقہی مسئلوں میں حدیثوں میں اختلاف بھی بکثرت ہوتا ہے اور ان کے سمجھنے میں اختلاف بھی علماء میں ہوتا آیا ہے۔ آخر کار اہل مدینہ نے حضرت زید بن ثابت سے بات کی اور روایت کی تحقیق کی اور پھر جب تحقیق کی رو سے حضرت عبداللہ بن عباس کی بات صحیح ثابت ہوئی تو حضرت زید بن ثابت اور اہل مدینہ نے اپنی رائے سے رجوع کیا۔

اہل مدینہ کے اس جواب ''ہم زید بن ثابت کے قول کو چھوڑ کر آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے'' سے پتہ چلتا ہے کہ مدینے والوں نے اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ حضرت زید بن ثابت کی ہی تقلید کریں گے۔ اس سے اور ان جیسے ان بے شمار واقعات سے جو حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ الگ الگ فقہی مسلک اور ان کی تقلید کا اہتمام صحابۂ کرام کے دور سے ثابت ہے۔ کوئی عالم اپنی امانت کا خون کیے بغیر اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ہم کیسے اپیل کریں کہ خدارا عوام کو ذہنی انتشار اور اختلاف میں مبتلا کرنے کے لیے یہ دھوکہ مت دیجیے کہ الگ الگ فقہی مسلک کی تقلید تو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اس دور کے بعد کی پیداوار ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا کہ دین کے اعتبار سے وہ نمونے کا اور مثالی قابل اتباع دور ہوگا۔ (یہاں یہ بات ہم آپ کو یاد دلانا چاہیں گے کہ ہم جس اختلاف کی

بات کر رہے ہیں اور جس کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ امت کے تمام قابل ذکر علماء جس کو باقی رکھنا چاہتے رہے ہیں اور کوئی دوسرے کو اپنے مسلک کی اتباع کرنے کو نہیں کہتا ہے یہ وہ فقہی اختلاف ہے جس کا سبب یہ ہے کہ خود قرآن وسنت نے اس اختلاف کی گنجائش چھوڑی ہے، اور اس کا دائرۃ صرف سلف اور ائمہ کے فقہی اختلاف کے اندر ہے، باقی وہ مسائل جن میں قرآن و حدیث کی واضح عبارتیں موجود ہیں اور ان کے خلاف حدیثیں نہیں ہیں ان میں اختلاف کی ہم کوئی گنجائش نہیں سمجھتے)۔

بہرحال الگ الگ علماء اور ائمہ کی رائیں اور ان کا یہ اختلاف جاری رہا، اور صحابۂ کرام، تابعین اور ان کے بعد اہل سنت کے تمام ائمہ اس مسلکی اختلاف اور ان کی تقلید واتباع کو تسلیم کرتے رہے[1]۔ اس طرح الگ الگ علاقوں کے علماء کی ان کے عوام اتباع کرتے رہے یہاں تک کہ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ صورت حال یہ ہوگئی کہ ہر علاقے کا الگ مسلک بن چکا تھا۔ یہ صورت حال پہلی صدی ہجری ہی میں ہو چکی تھی، امام حدیث امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو دیکھا اور اس طرح تسلیم کیا کہ جب وہ مدینے کے گورنر تھے اہل مدینہ کے مسلک کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، مگر جب وہ شام گئے تو انہوں نے وہاں کے مسلک کے مطابق فیصلے کیے (سنن دارمی، مقدمہ)۔

تاریخ کی کتابوں میں امام مالک کا واقعہ بھی لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ منصور یا ہارون نے ان سے درخواست کی کہ حکومت ان کی کتابوں کو پورے عالم اسلام میں پھیلا دے اور لوگوں کو اپنے مسلکوں کو چھوڑ کر اسی پر عمل کرنے کو کہے، مگر امام مالک نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اور کہا کہ نہیں لوگوں تک مختلف فقہی آراء اور مسالک پہنچ چکے ہیں۔ ہر ایک کے پاس اپنی اپنی احادیث ہیں۔

---

[1] ہم نے اپنی کتاب ''تقلید اور مسلکی اختلاف کی حقیقت'' میں اس کے تفصیلی ثبوت جمع کیے ہیں۔ سلفی کہلانے والے بھائیوں کے لیے خاص طور پر ہم نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی عبارت بھی ذکر کی ہے، جس کے بعد اس میں کوئی شبہہ نہیں رہتا کہ ائمۂ اسلام کے مسالک کی اتباع سے عوام کو روکنے والے امت کے سلف اور اہل خیر کی راہ سے ہٹ گئے ہیں، اور اسی لیے ایک فتنہ بن چکے ہیں۔

فدع الناس و ما اختار اهل كل بلد لانفسهم ہر علاقے کے لوگوں کو اپنے مسلک پر چھوڑ دو۔

امام مالک کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں الگ الگ علاقوں کے مسالک کی تشکیل ہو چکی تھی۔اور عوام ان پر چلتے تھے۔ یہ بات علماء ہی نہیں طلبہ کی سطح کے لوگوں کو بھی واضح طور پر معلوم ہے کہ ابتدائی زمانے ہی میں الگ لگ علاقوں کے الگ الگ مسالک بن گئے تھے۔امام مالک اور عباسی خلیفہ کے قصہ میں امام مالک کا ایک جملہ یہ بھی نقل کیا گیا ہے:

أما هذا الصقع يعني المغرب فقد كفيته و اما الشام ففيه الاوزاعي و اما العراق فهم اهل العراق. (ترتيب المدارک، ١/٦٠)

جہاں تک اس علاقے مغرب یعنی مراکش واندلس وغیرہ کا تعلق ہے وہاں میرا مسلک پھیل چکا ہے، شام میں امام اوزاعی ہیں، اور لوگ ان کے مسلک پر چلتے ہیں۔اور اہل عراق تو اہل عراق ہیں۔

امام مالک کے اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک کے زمانے سے ہی علاقوں میں مسالک قائم ہو چکے تھے، شام میں اوزاعی کی تقلید ہوتی تھی، اندلس اور مراکش میں امام مالک کا مسلک رائج تھا اور عراق والوں کا بھی ایک مسلک تھا۔اور تمام علماء اور ائمہ اس پر متفق تھے کہ ہر علاقے کو اپنے علماء کے فقہی مسالک پر باقی رہنے دیا جائے۔

سنن دارمی میں صحیح سند سے روایت ہے کہ حمید الطّویل نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے یہ خیال رکھا کہ لوگوں میں یہ جو فقہی اختلاف چلا آ رہا ہے اس کو ختم کر کے ان کو کسی بنیاد پر متحد اور جمع کر دیا جائے۔ بظاہر کتنا پاکیزہ خیال ہے کہ امت متحد ہو جائے!! مگر ائمہ جانتے تھے کہ یہ ظاہری طور پر اچھی نظر آنے والی بات اللہ کی اسکیم اور اس کی رحمت کے خلاف ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ لوگوں میں (ان فقہی مسائل میں) اختلاف نہ ہوتا'' پھر انہوں نے ہر علاقے کے لئے یہ فرمان جاری کیا کہ:

ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاؤهم

ہر علاقے کے لوگ اپنے علاقے کے فقہاء کی رائے کے مطابق فیصلہ کریں۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیے:

آپ نے یہاں تک جو کچھ پڑھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام کے دور سے ہی الگ الگ مسلک بننے لگے تھے اور صحابہ وتابعین اور ائمہ اسلام اس پر متفق تھے، ہر علاقے کے لوگ عموماً اپنے علماء ہی کے مسلک کی اتباع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ علماء اور مجتہدین کو بھی اس کا خیال تھا کہ عوام کو ذہنی الجھن اور انتشار میں مبتلا نہ کرنے کے مقصد سے (اگر مسئلہ قطعی طور پر غلط نہ ہو اور دونوں رایوں کی گنجائش ہو تو) اپنے علاقے کے علماء کے مسلک کے خلاف رائے نہ اختیار کی جائے۔ گویا اس دور میں بھی متعین مسالک کی تقلید عوام کے لئے ایک معروف چیز تھی۔

اب آگے کی بات پر غور کیجیے۔

علاقوں کے مسالک کی تقلید کا یہی رویہ جاری تھا کہ ائمہ نے مثلاً امام ابوحنیفہ، ان کے شاگردوں اور امام مالک اور ان کے شاگردوں نے اپنے اپنے علاقوں کے مسالک کتابوں کی شکل میں لکھ کر فقہ کی تدوین کا کام انجام دیا۔ امام محمد نے اہل کوفہ کے نمائندہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی فقہ مدون ومرتب کی۔ اہل مدینہ کی فقہ امام مالک کے شاگردوں نے مرتب کی۔ پھر امام شافعی کا زمانہ آیا، وہ اصلا فقہ حجازی (مدینہ ومکہ) کے نمائندے اور امام مالک کے شاگرد تھے۔ لیکن ایک بڑے امام ہونے کی وجہ سے ان کو امام مالک کی بعض مسائل کے مقابلے میں اپنے فقہی اسکول کے دیگر صحابہ اور تابعین کی رائیں زیادہ بہتر معلوم ہوئیں، انہوں نے ان کو لے لیا یہ فقہ شافعی بنی۔ اسی فقہ شافعی کے سلسلے کے ایک بڑے عالم امام احمد ابن حنبل تھے، انہوں نے امام شافعی کے مسائل میں سے کچھ سے اختلاف کیا، ان کا اور ان کے شاگردوں کا ایک الگ مسلک بن گیا۔

اسی طرح الگ الگ علاقوں میں الگ الگ ائمہ کا مسلک رائج ہونے لگا، مثلا مصر میں وہاں کے امام لیث بن سعدؒ کا اور شام میں امام اوزاعیؒ کا اور کہیں امام طبریؒ کا۔

شروع میں صرف چار مسالک کی تقلید نہیں ہوتی تھی، ان کے علاوہ بھی مسلک تھے۔ لیکن دھیرے دھیرے دیگر مسالک ختم ہوتے چلے گئے۔ اور بغیر کسی کی پلاننگ یا کوشش کے ہوا یہ کہ امت میں ان چار اماموں اور ان کے شاگردوں کا مسلک پھیل گیا۔ ان مسلکوں کے علماء ہر دور میں اختلافی فقہی مسائل پر اپنے دلائل لکھتے رہے اور بیان کرتے رہے۔ علم کی مجلسیں مباحثوں سے گرم رہیں، ہر ایک نے دوسرے کے دلائل پر غور کیا، اور اگر کہیں لگا کہ اپنا مسلک کسی غلط فہمی پر مبنی تھا تو اس کو چھوڑ بھی دیا گیا۔ اگر چہ اس کی ضرورت کم ہی پڑی اس لیے کہ جو اختلاف تھا اس کی بنیاد کم علمی یا غلط فہمی نہیں تھی بلکہ یہ سیکڑوں ائمہ کا مسلک تھا، اور اختلاف اس لیے ہوا تھا کہ قرآن وحدیث میں بھی اختلاف تھا یا اس کی گنجائش چھوڑی گئی تھی کہ الگ الگ طرز فکر کے لوگ الگ الگ رائے قائم کریں۔

اس طرح اب صدیوں سے امت میں یہی چار مسلک رائج ہیں۔

چار ہی کیوں، زیادہ کیوں نہیں؟

اب اگر کسی کے دل میں یہ سوال آتا ہے کہ یہ چار ہی مسلک کیوں، زیادہ کیوں نہیں؟ تو اس کا ہمارے پاس بس یہ جواب ہے کہ اس میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں، اللہ کا فیصلہ یہی تھا کہ امت میں یہی چار فقہی مسالک تفصیلی طور پر تیار ہوئے اور پھر محفوظ رہے۔ اگر کوئی پانچواں اور چھٹا مسلک بھی موجود ہوتا تو علماء ان کو بھی قبول کرتے۔ مگر اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ دیگر ائمہ کے کچھ مسائل اور اجتہادات تو ہم تک پہونچے ہیں مگر ایک مکمل مربوط اور منظّم فقہی نظام کی حیثیت رکھنے والا مسلک جس کی باقاعدہ تدوین ہوئی ہو یعنی اس کے مسائل کثرت سے جمع کیے گئے ہوں اور اس کی باقاعدہ خدمت ہوئی ہو اور ہزاروں علماء نے اس کو جانچا پرکھا ہو، ایسا کوئی اور مسلک بچا نہیں۔

مسالک کی تقلید نہ کہ تقلید شخصی:

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ جو مسالک ہیں یہ کسی ایک امام کے فتاویٰ اور

اجتہادات نہیں ہیں، بلکہ یہ اس علاقے کے بے شمار ائمہ کا اجتہاد ہے۔ جس کی نسبت اس کے ایک اہم امام مثلاً ابوحنیفہ، مالک، اوزاعی، اورلیث بن سعد وغیرہ کی طرف کی جانے لگی۔ پھران ائمہ پر ہی بات نہیں رکی ان کے بعدان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے تحقیق وجستجو کا عمل جاری رکھا۔ اور صدیوں علماء وفقہاء کی ہزاروں کی تعداد کو ان مسائل پر اطمینان رہا، اگر کچھ مسائل میں اطمینان نہیں ہوسکا تو ایسا بکثرت ہوا ہے کہ مسلک کا فتویٰ تبدیل کیا گیا۔ مثلا بسا اوقات حنفی مسلک کا فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلک کی اتباع کرنے والا کسی ایک شخص کی تقلید نہیں کرتا، بلکہ ایک مکتب فکر اور ایک مسلک کی تقلید کرتا ہے، جس کے پیچھے صحابۂ کرام سے لے کر آج تک بے شمار ائمہ دین اور فقہاء وعلماء اسلام کی تعداد موجود ہے۔ چونکہ مسلک کا نام اس کے کسی ایک امام کے نام پر حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی پڑ گیا ہے، اس لئے علماء اس کو تقلید شخصی کا نام دے دیتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسالک اربعہ کی تقلید دراصل مسالک کی تقلید ہے۔ کسی ایک شخص کی تقلید نہیں۔

اسلام کی تاریخ میں کسی معتبر امام یا عالم نے عوام کو تقلید سے نہیں روکا:

تقلید ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اور اس کا انکار کرنے والا امت مسلمہ کے اہل حق سے الگ اپنی راہ بناتا ہے۔ پوری اسلامی تاریخ کے دوران اہل سنت کے تمام علماء اس کے قائل ہیں کہ عوام اپنے علاقے کے علماء کی تقلید کریں گے۔ کوئی بھی انصاف پسند جس کی عقل وفکر پر غلو اور تعصب کے پردے نہ پڑ گئے ہوں اس حقیقت واقعہ سے انکار نہیں کرسکتا کہ امت کی چودہ صدیوں پر محیط تاریخ کے دوران عوام کے لئے تقلید مطلق اور کسی خاص عالم یا کسی خاص مسلک کی تقلید کو کسی ایک بھی ایسے عالم نے ممنوع نہیں قرار دیا ہے جس کو امت مسلمہ میں عام مقبولیت حاصل ہو۔ یہ بات صریح مغالطہ آرائی ہے یا کھلی ہوئی غلط فہمی کہ سلف اور محدثین کا مسلک تقلید نہیں ہے۔ چاہے صحابہ ہوں یا سلف کے ائمہ یا بعد کے محدثین سب تقلید کے قائل تھے۔ اسلام کی

تاریخ میں صحابۂ کرام سے لے کر آج تک کسی معتبر عالم دین نے جس کو امت میں خصوصا اہلسنت کے علماء میں قبولیت حاصل ہو عوام کو تقلید سے منع نہیں کیا۔ آج جو لوگ تقلید کا انکار کر رہے ہیں اور لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ علماء اور ائمۂ اربعہ کی تقلید نہ کریں وہ یقیناً ایک ایسی بات کہہ رہے ہیں جو صحابہ سے لے کر آج تک اسلام کے تمام معروف ائمہ کے خلاف ہے۔ آپ ایک ایسی بات کہیں جو صحابہ سے لے کر آج تک کے اسلام کے تمام ائمہ کے خلاف ہو اور پھر بھی یہ سمجھیں کہ آپ کی بات صحیح ہو سکتی ہے یہ آخری درجے کی خود فریبی اور اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔

اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اعتدال اور انصاف کے موقف تک پہنچنے کے لیے اکیلی یہی بات کافی ہے۔ عقل سلیم میں سے اگر کسی کو تھوڑا سا بھی حصہ ملا ہو اور مزاج بری طرح غلو کا شکار نہ ہو تو ایک آدمی علماء اور ائمہ کے متفقہ موقف سے انحراف کرتے ہوئے ہزار بار ڈرے گا۔

ہم نے اپنی مذکورہ کتاب میں اس سلسلے میں محدثین اور فقہاء کی شہادتیں تفصیل سے ذکر کی ہیں۔ مثلاً سرخیلِ محدثین امام یحییٰ ابن معین حنفی تھے (ذہبی: سیر اعلام النبلاء)۔ خاص طور پر یہ کہ امام مالک امام لیث ابن سعد، امام اوزاعی کے زمانے ہی میں ان کا مسلک علاقوں میں چل پڑا تھا، عوام کی کثیر تعداد ان کی مقلد تھی۔ اور ان دونوں ائمہ نے نہ لوگوں کو اس سے روکا نہ اس دور کے دیگر ائمہ نے (سیر اعلام النبلاء تذکرہ امام مالک)۔ پھر آخری درجے کی بات یہ کہ امام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن القیمؒ کی صاف عبارتیں موجود ہیں جن میں انہوں نے تقلید کو جائز بلکہ واجب تک کہا ہے۔ یہی دونوں وہ شخصیتیں ہیں جن پر سلفی کہلانے والے غیر مقلد حضرات کو خاص اعتماد ہے۔ یہاں ہم ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت ذکر کریں گے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ بڑی صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چاروں مسالک میں سے کسی مسلک کی تقلید کو بہتر سمجھتا ہے تو کسی کے لئے اس کو ٹوکنا اور اعتراض کرنا جائز نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

من ترجح عنده تقليد الشافعي لم ينكر على من ترجح عنده تقليد مالك

و من ترجح عنده تقليد احمد لم ينكر علی من ترجح عنده تقليد الشافعي و نحو ذالك (۲۰/ ۲۹۲)

جس کے نزدیک شافعی کی تقلید بہتر ہے وہ اس پر اعتراض نہیں کرے گا جس کے نزدیک مالک کی تقلید بہتر ہے اوراسی طرح جس کے نزدیک احمد کی تقلید بہتر ہے وہ شافعی کی یا کسی اورامام کی تقلید کرنے والے پراعتراض نہیں کرے گا۔

ایک اورسلسلۂ کلام میں شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ انسان کی دوحالتیں ہوسکتی ہیں: یا وہ مجتہد ہوگا، یا مقلد ہوگا۔اگر مقلد ہوتو ابن تیمیہؒ مشورہ دیتے ہیں کہ اس کوسلف کا یعنی ابتداء کی صدیوں کے ائمہ کا ہی مقلد ہونا چاہیے۔ "**المقلد يقلد السلف، اذ القرون المتقدمة افضل مما بعدها (مجموع الفتاویٰ: ۲۰/ ۹)** اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک آدمی اگر مجتہد نہ ہوتو اس کو مقلد ہونا پڑے گا، اورایسی صورت میں ہما شما اور نئے علماء کی تقلید کے بجائے ابن تیمیہؒ اس کوابتدائی صدیوں کے ائمہ خصوصاً ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے کی ترغیب دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔خاص طور پراس لئے بھی کہ انہی کا مسلک تفصیلی طور پرمحفوظ ہے۔

اہل حدیث کہلانے والے حضرات کوسوچنا چاہیے کہ تقلید کو غلط بلکہ حرام قرار دینے کا جو رویہ انہوں نے اختیار کررکھا ہے وہ اس قدر غلط ہے کہ اس میں ان کوامت کے ائمہ میں کوئی بھی پیشوانہیں ملتا۔کہا جاتا ہے کہ امام ابن القیمؒ نے تقلید کوحرام لکھا ہے،مگر یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔انہوں نے خوداعتراف کیا ہے کہ تقلید کسی کے لیے جائز ہوتی ہے اورکسی کے لیے واجب بھی۔حافظ موصوف نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں تقلید کے مسئلہ پر جب گفتگو شروع فرمائی تو عنوان میں ہی یہ تصریح کی کہ تقلید کسی کے لیے واجب ہوتی ہے اورکسی کے لیے جائز۔انہوں نے اس باب کا عنوان ہی یہ قائم فرمایا:

[ذكر تفصيل القول في التقليد ،وانقسامه الی ۱. ما يحرم القول فيه و الافتاء به ۲. و الیٰ ما يجب المصير اليه ۳. و الی ما يسوغ من غير ايجاب

آگے کہتے ہیں:

من بذل جهده في اتباع ما انزل الله وخفي عليه بعضه فقلد فيه من هو اعلم منه فهذا محمود غيرمذموم و ماجور غير مازور، كما سياتي بيانه عند ذكر التقليد الواجب و السائغ ان شاء الله. (اعلام الموقعین:۲/۱۸۸)

جس نے اللہ کے شریعت کی اتباع کی اپنی سکت بھر کوشش کی، اور جو مسئلہ وہ خود معلوم نہیں کر سکتا اس میں اس نے اپنے سے زیادہ علم والے کسی شخص کی تقلید کر لی، تو ایسا شخص مذموم نہیں قابل تعریف ہے، گناہ گار نہیں ثواب کا مستحق ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت تقلید واجب اور تقلید جائز کے ذکر کے وقت آئے گی۔

اس کو سوائے علمی امانت سے خالی ہونے کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ابن القیم تو کھلے بندوں تقلید کے جائز ہی نہیں واجب تک ہونے کی بات کہیں، مگر ہم کو بار بار یہ بتایا جائے کہ ابن القیم تقلید کو بہر صورت حرام اور مشرکین کا طرز عمل کہتے ہیں۔ اور اوپر ذکر کی گئی ان کی واضح عبارتوں کو چھپا لیا جائے اور اسی کتاب کی آگے پیچھے کی عبارتیں خوب نقل کی جائیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسوس! تعصب اور مسلکی گروہ بندی کیا کیا گناہ کرواتی ہے۔ اللہ ہم سب کو معاف فرمائے اور ان اخلاقی اور نفسیاتی بیماریوں سے سب کو محفوظ رکھے۔

خود ابن تیمیہ اور ابن القیم بھی حنبلی مسلک کی تقلید کرتے تھے۔ اس میں بھی علماء کو کبھی شک نہیں رہا۔ اس کا اعتراف موجودہ سلفی علماء کو بھی ہے۔ مشہور سلفی سعودی عالم شیخ صالح الفوزان کہتے ہیں:

هاهم الائمة من المحدثين الكبار كانوا مذهبيّين، فشيخ الاسلام ابن تيمية و ابن القيم كانا حنبليّين، و الامام النووى و ابن حجر كانا شافعيّين. والامام الطحاوى كان حنفياً و ابن عبدالبر كان مالكياً. (اعانة المستفيد، شرح كتاب التوحيد: ۱/۱۲)

غور کیجیے! یہ محدثین کے بڑے بڑے ائمہ ہیں جو مسالک کو مانتے ہیں۔ مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم حنبلی تھے۔ امام نووی اور ابن حجر شافعی تھے۔ امام طحاوی حنفی تھے اور ابن

عبدالبر مالکی تھے۔

اور آخری درجے کی بات یہ کہ شیخ محمد ابن عبدالوہابؒ اور ان کے اولاد و اخلاف جن کو ہمارے یہ برادران بھی اہل حدیث اور سلفی ماننے سے انکار نہیں کر سکتے، وہ بھی حنبلی تھے، اور اپنے مقلد ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ وہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ نجبرھم علی تقليد احدالائمة الاربعة۔ (الدرالسنية، ١/٢٧٧) ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔ اسی طرح شیخ ابن العثیمین نےؒ موجودہ علماء سعودیہ کے مقلد اور حنبلی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

حدیث کے سب امام مقلد ہوتے رہے ہیں اور محدثین کا مسلک تقلید ہے نہ کہ عدم تقلید:

پھر چوتھی صدی کے بعد امت کی تاریخ میں جس قدر بھی ائمہ دین ہوئے ہیں۔ جن کی امامت وعظمت پر سارے اہل حق کا اتفاق ہے وہ سب کے سب کسی نہ کسی مسلک سے تقلید کا تعلق رکھتے ہیں۔ تقلید کی صحت اور مسالک کے اتباع کا جو رویہ امت میں عموماً رائج ہے اس کے صحیح اور محفوظ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ گزشتہ ۹ صدیوں کے دوران امت کے تمام علماء و صالحین اور مجددین و مصلحین اسی طریقہ پر کاربند رہے ہیں۔ اس لیے جان لینا چاہئے کہ دین کی سلامتی اسی طریقہ میں ہے۔ اساطین علم حدیث یعنی علم حدیث کے اپنے زمانے کے تمام ائمہ، جن کے ذریعے ہی ہم تک دین پہونچا ہے، چار مسلکوں کی تقلید کے صرف قائل ہی نہیں تھے بلکہ خود ان مسالک میں سے کسی مسلک کی اتباع کرتے تھے۔ تیسری صدی ہجری کے بعد سے یعنی جب سے ان چاروں مسلکوں کی تدوین اور شہرت ہوئی، اب تک صدیاں گزر گئیں کہ تمام محدثین ان میں سے کسی کی تقلید کرتے رہے ہیں۔ مثلاً امام دارقطنی، بیہقی، ابن عبدالبر، منذری، ابن المنذر، خلال، طحاوی، الرامہرمزی، خطابی، ابن مندہ، ابونعیم، خطیب البغدادی، خطیب تبریزی، ابن ماکولا، بغوی، قاضی عیاض، ابن عساکر، ابن الجوزی، ضیاء مقدسی، مزنی، برزالی، تقی الدین

سبکی، تاج الدین سبکی، ابن الصلاح، ابن قدامہ مقدسی، ذھبی، ابن کثیر، نووی، زیلعی، ابن عبدالہادی، ابن رجب، عراقی، ابن حجر ہیثمی، ابن حجر عسقلانی، سخاوی، سیوطی...........رحمہم اللہ تعالیٰ، اور نہ جانے کون کون۔ یہ سب حضرات اپنے اپنے زمانے کے علم حدیث کے امام ہیں۔ نہ صرف امام بلکہ انہی کے ذریعہ اس علم کو ترقی ملی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ سارے ائمہ چاروں مسلکوں میں سے کسی نہ کسی مسلک کے مقلد تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کا مسلک تقلید ہے نہ کہ عدم تقلید۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور انکے متبعین حنبلی تھے اور کسی مسلک کی تقلید کو واجب کہتے تھے:

اب یہ اہل حدیث کہلانے والے حضرات سب سے زیادہ جس عالم کی اتباع کرتے ہیں اور جن کے بارے میں تنقید کا کوئی حرف نہیں کہہ سکتے وہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ ہیں۔ ان ہی شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے صاحبزادے اور جانشین اپنے والد اور اپنی جماعت کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

و نحن ایضاً فی الفروع علی مذهب الامام احمد بن حنبل و لا ننكر علی من قلد احد الائمة الاربعة دون غيرهم لعدم ضبط مذاهب الغير، الرافضة والزيدية، و الامامية و نحوهم، و لا نقرهم علی مذاهبهم الفاسدة، بل نجبرهم علی تقليد احدالائمة الاربعة. (الدرالسنية، ۱/۲۷۷)

ہم فقہی مسائل میں امام احمد بن حنبل کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔ اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنے والے پر تنقید بھی نہیں کرتے لیکن ان کے علاوہ دوسرے مسالک مثلاً روافض، زیدی، اور امامی وغیرہ مسالک پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ ان لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔

ہم سوال کرتے ہیں کہ جو غیر مقلد علماء تقلید کے حرام بلکہ شرک ہونے جیسے فتوے باٹتے ہیں کیا وہ اب یہی فتوے سعودی عرب کے ان علماء شیخ محمد ابن عبدالوہابؒ، ان کے صاحبزادگان،

شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ، شیخ صالح الفوزان وغیرہ کے بارے میں بھی دیں گے؟؟

یہ کون سی ایمان داری ہے کہ ہندوستان کے لوگ تقلید کریں تو شرک، اور سعودی علماء تقلید کریں اور کرائیں تو وہ توحید کے امام؟؟ آخر بے چارے عوام کو ذہنی الجھن میں مبتلا کرنا ان کے ساتھ کون سا خلوص اور خیر خواہی ہے اور اسلام کے ساتھ کون سی ہمدردی؟؟

تقلید میں اعتدال وحقیقت پسندی کی دعوت تو علماء اسلام کا موقف ہوسکتی ہے، بلکہ ہے اور ہر دور کے محققین اس کی ضرورت سمجھتے رہے ہیں کہ تقلید میں غلو سے بچنے کا اہتمام کیا جائے۔ مگر تقلید اور چاروں مسالک کو چھوڑ دینے کی دعوت کسی نے نہیں دی، ڈھونڈھنے اور تلاش کرنے سے گزشتہ نو صدیوں کے دوران چند افراد ایسے مل سکتے ہیں جو کسی خاص مذہب کے مقلد نہیں تھے، لیکن یہ بس گنتی کے چند نام ہوں گے جن کی مقدار اتنی بھی شاید نہ ہو جتنی آپ کے دو ہاتھوں کی انگلیوں کی۔ پھر امت میں اپنی مقبولیت اور شہرت کے اعتبار سے بھی وہ تقلید کے قائل علماء اسلام کے مقابلہ میں یقیناً کوئی قابل ذکر حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ ایسے شاذ اور اہل حق سے الگ موقف اور طرز کی دعوت دینا یقیناً دین میں بے جا جسارت ہے۔

الغرض عوام کو تقلید چھوڑ دینے کی دعوت ایک بے محل اور نئی دعوت ہے، جس کا کوئی سلف نہیں، اور علماء اسلام میں ابن حزمؒ جیسوں کے علاوہ اس دعوت کا کوئی پیش رو نہیں۔ اس دعوت کو سلفیت کا نام دینا بالکل غلط اور سراسر افتراء ہے۔

خود اہل حدیث بھی مقلد ہی ہیں:

کوئی ایسا شخص جس میں انصاف کا کوئی ذرہ بھی ہوگا وہ اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ اہل حدیث کہلانے والے حضرات بھی اپنے عوام سے تقلید ہی کراتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ پان بیچنے والا ہو یا کھیتی مزدوری کرنے والا ایک بے پڑھا لکھا انسان یا جدید تعلیم یافتہ وہ لوگ جنھوں نے دینی علم حاصل نہیں کیا وہ خود قرآن وحدیث سے استنباط واجتہاد نہیں کرتے، نہ وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ ائمہ کے اختلافات میں ہر ایک کے دلائل پر غور کرکے راجح کا پتہ لگا سکیں۔ وہ بھی

اہل حدیث علماء کی تقلید کرتے ہیں۔ ہاں ان بے چاروں کو یہ وہم ضرور پیدا کر دیا جاتا ہے کہ وہ تقلید نہیں کرتے۔

آپ خود سوچیے! کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کوئی شخص ائمۂ اربعہ اور ان کے مذہب کے فقہاء اور جلیل القدر علماء کے ذریعے جو مسلک تیار ہوا ہے اس کی اتباع کر لے اور دوسرا اپنے اہل حدیث مسلک کے علماء کی بات مان لے؟ کیسے دھوکے میں ہیں وہ لوگ جو خود تو آج کے ہما شما کچے پکے علماء کے مقلد ہوتے ہیں مگر ائمہ اربعہ اور ان کے شاگرد ائمہ کے ذریعے مرتب مسلک کے مقلدین کو کم تر اور غلط کار سمجھنے لگتے ہیں۔ اس پر جتنی بھی حیرت ہو کم ہے۔

چاروں مسلک اور ان کی تقلید کی سب سے مضبوط دلیل:

ان چار مسلکوں اور ان کی تقلید کی سب سے مضبوط دلیل یہی ہے کہ اہل سنت کا کوئی مقبول امام اور عالم چاروں مسالک میں سے کسی ایک کی اعتدال کے ساتھ تقلید کا مخالف نہیں۔ اب ان مسلکوں کی تقلید کے مخالف حضرات سوچ لیں کہ وہ سلف کے تمام علماء اور ائمہ کے مخالف ہیں۔ لے دے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن القیمؒ اور ان کے سلسلے کے کچھ علماء مثلاً ابن کثیرؒ، ذہبیؒ، ابن رجبؒ، ابن عبدالہادیؒ اور اخیر زمانے میں شیخ محمد ابن عبدالوہابؒ اور ان کے سلسلے کے علماء پر آپ کو اعتماد تھا، مگر یہ آپ سے بری ہیں، کیوں کہ سب چاروں مسالک میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے تھے۔ اب یا تو یہ کہیے کہ ساری امت نے دین کو نہیں سمجھا اور اس کے تمام علماء اور ائمہ ایک ایسی چیز کو حلال کہتے آئے بلکہ خود بھی اس پر عمل کرتے آئے اور پوری کی پوری امت سے اس پر عمل کراتے آئے جو گمراہی اور آپ کے بقول شرک ہے۔ اور نتیجۃً سب کے سب مشرک۔ ساری امت کے تمام علماء نے دین کو نہیں سمجھا اب آپ کی ایک جماعت ہے جس نے اس دور میں آ کر دین کو سمجھا ہے۔ بہر حال سلف کی اتباع کے دعوے کے ساتھ یہ رویہ مضحکہ خیز حد تک نا قابل فہم ہے۔

مسالک کی اتباع کی ایک حکمت:

مسالک کے رواج اور ان کی تقلید میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عوام کو ذہنی تشویش اور الجھن سے بچایا جائے۔اس بات کو سمجھنے کے لیے زیادہ ذہانت کی ضرورت نہیں، بس تھوڑی سی سنجیدگی سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عوام کے لیے اس میں کتنی عافیت ہے کہ ایک علاقے میں ایک ہی مسلک چلتا رہے اور نئے نئے طریقوں پر (چاہے وہ غلط نہ ہوں) چلنے کی کوشش نہ کی جائے۔کم سمجھ عوام بسا اوقات اپنی کم سمجھی کی وجہ سے اس وقت الجھن اور اضطراب میں پڑ جاتے ہیں جب کسی کو اپنے علاقے کے معروف اور رائج طریقہ کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔یقیناً بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ لوگوں کو ائمہ کے اجتہادی اختلاف کی پہچان ہو اور وہ ان کو قبول کریں، مگر عملی طور پر تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ اپنے علاقے کے مالوف ومشہور طریقہ کے خلاف طریقہ کو دیکھ کر لوگوں کو ایک طرح کی اجنبیت اور استعجاب بلکہ اشکال واعتراض پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا ائمہ اور علماء کا کا ہمیشہ سے طریقہ یہی رہا ہے کہ اگر دلائل کے اعتبار سے گنجائش ہوتی ہے تو وہ اپنے علاقے کے مسلک کو نہیں چھوڑتے، بلکہ مشہور امام حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس سلسلے میں جو کہا تھا وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔انہوں نے خود بھی یہی کیا کہ جب وہ شام گئے تو وہاں کے مسلک کے مطابق فیصلے کیے، اور اپنی حکومت کے زمانے میں انہوں نے ہر علاقے کے علماء کو خط لکھا کہ اپنے علاقے کے مسلک کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔اور اس میں تالیف قلب کے علاوہ عوامی عمل میں یک رنگی کی جو مصلحت ہے وہ ظاہر ہے۔غور کرنے والا ہر منصف مزاج اس کو سمجھ سکتا ہے۔

عوام پر اپنے علاقے کے علماء کی تقلید ضروری ہے:

مجھے بڑی خوش گوار حیرت ہے کہ اجتہادی مسائل میں اپنے علاقے کے علماء کی اتباع ضروری ہونے میں پوشیدہ اس حکمت کی جیسی واضح تصریح مجھے شیخ محمد بن صالح العثیمین کے یہاں ملی کسی کے یہاں نہیں ملی۔یہ وہی شیخ محمد العثیمینؒ ہیں جو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے سلسلے کے

اپنے وقت کے سب سے بڑے مقتدیٰ اور عالم اور ابھی چند سال پہلے اپنی وفات کے وقت بجا طور پر سعودی عرب کے شیخ الکل تھے۔انہوں نے متعدد سوالات کے جوابات میں یہ بات کہی ہے کہ عوام کو ان فقہی اختلافی مسائل میں اپنے علاقے کے علماء کے مسلک پر ہی چلنا چاہئے۔اس کی حکمت لوگوں کو انتشار سے بچانا ہی ہے۔شیخ موصوف ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:عوام کا مسلک وہی ہونا چاہئے جو ان کے علماء کا ہو۔اگر کوئی کہے کہ میں جس کی چاہے تقلید کروں،کوئی ٹوکنے والا کون ہوتا ہے؟ تو ہم کہیں گے:

لا يسوغ لک هذا، لأن فرضک أنت هو التقليد، و احق من تقلد علماؤک و لو قلدت من كا ن خارج بلادک ادّیٰ ذالک الی الفوضیٰ فی امر ليس عليه دليل شرعی......

فالعامی يجب عليه ان يقلد علماء بلده الذين يثق بهم وقد ذكر هذا شيخنا عبدالرحمن بن سعدی رحمه الله، وقال: العامة لا يمكن ان يقلدوا علماء من خارج بلدهم، لأن هذا يؤدی الی الفوضیٰ والنزاع، ولو قال: انا لا اتوضأ من لحم الابل، لأنه يوجد من علماء الامصار من يقول: لا يجب الوضوء منه، قلنا لا يمكن، يجب عليک ان تتوضأ لأن هذا مذهب علمائک و انت مقلدهم. (لقاء ات الباب المفتوح: ۱۹/۳۲)

تمہارے لئے یہ جائز نہیں اس لئے کہ تمہارا فرض تقلید ہے،اور سب سے زیادہ حق یہ ہے کہ اپنے علماء کی تقلید کرو،اور اگر تم نے اپنے علاقے کے علماء کو چھوڑ کر دیگر علماء کی تقلید کی تو اس سے انتشار پیدا ہوگا۔ایک ایسے امر میں جس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔............

لہٰذا عام آدمی پر یہی واجب ہے کہ وہ اپنے علاقے کے ان علماء کی تقلید کرے جن پر اس کو اعتماد ہے۔ہمارے شیخ عبدالرحمان بن سعدی نے بھی اس کی تائید کی ہے،اور کہا ہے کہ عوام کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ دوسرے علاقوں کے علماء کی تقلید کریں۔اس لئے کہ اس کے نتیجے میں انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے،لہٰذا اگر (ہمارے علاقے کا) کوئی شخص یہ

کہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد میں وضونہیں کروں گا۔(جب کہ حنبلی مسلک میں اونٹ کے گوشت سے وضوٹوٹ جاتا ہے) تو ہم کہیں گے کہ نہیں، تم پر وضوواجب ہے۔اس لئے کہ تمہارے علاقے کے حنبلی علماء کا مسلک یہی ہے اور تم ان کے مقلد ہو۔

ناظرین کرام سے خصوصاً وہ حضرات جو تقلید کے قائل نہیں ہیں ان سے درخواست ہے کہ اپنے اس مقتدیٰ (پیشوا) کی اس عبارت پر ذرا غور کریں۔اس میں شیخ مرحوم نے کتنی جگہ عوام کے لئے تقلید خصوصاً اپنے علاقے کے علماء کی تقلید کو ضروری قرار دیا ہے۔بس ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں کہتے جو شیخ محمد العثیمینؒ کہتے ہین۔یقین ہے کہ اہل حدیث علماء ان علماء سعودی عرب کو گمراہ، اندھے مقلد اور مشرک نہیں کہہ سکتے۔اور کاش، کاش یہ برادران غور کرتے کہ یہ کس قدر انتشار واختلاف پھیلانے والا عمل ہے کہ ہندوستان جہاں حنفی مسلک رائج ومقبول ہے، وہاں کے عوام کو اتباع حدیث کے نام پر کسی دوسرے مسلک خصوصاً سعودی عرب کے علماء کے مسلک یا اہل حدیث مسلک کی اتباع کی دعوت دی جائے۔

شیخ محمد العثیمین نے اور شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی نے تو وہ نہیں دیکھا جو ہم دیکھ رہے ہیں، اگر ہماری طرح وہ دیکھتے کہ مسجد مسجد جھگڑے ہیں، مناظرے ہیں، بلکہ گالم گلوج ہے، لڑائیاں ہیں اور ایک فریق کی ابتدا اور زیادتی پر دوسرا فریق بھی مشتعل ہو رہا ہے، اور مسلمانوں کی الفت ومحبت اس فتنہ کی آگ میں جھلس کر رہ گئی ہے۔اگر یہ حضرات یہ دیکھتے تو ان کو اندازہ ہوتا کہ یہ کتنا بڑا فتنہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں اور مسلک کے اختلاف میں لوگ اپنے علاقے کے علماء کے طرز عمل کو چھوڑ کر دوسروں کی تقلید کی دعوت دیں۔یہ طرز عمل یقیناً ایک فتنہ ہے۔

اوپر کی عبارت میں شیخ ابن عثیمین نے تو اس بات سے بھی پوری صراحت اور تاکید سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنی ذات کی حد تک بھی اپنے علاقے کے علماء کی رائے کے خلاف کسی دوسرے مسلک پر عمل کرے، شیخ نے اس کو بھی انتشار اور اختلاف اور جھگڑوں کا سبب بتایا ہے۔مگر یہاں تو پانی اس سے کہیں اونچا ہو چکا ہے۔اب اندازہ کیجئے کہ وہ انتشار واختلاف کتنا بڑا ہوگا جو اس وقت پھیلے گا جب دوسروں پر زور ڈالا جا رہا ہو کہ تم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھو، رفع یدین کرو، ہاتھ یہاں

باندھو، یہاں نہ باندھو، حنفی مسلک چھوڑو، ورنہ تم کتاب وسنت کے مخالف قرار پاؤ گے۔اس طرز عمل سے کتنا اختلاف وانتشار پیدا ہورہا ہے، اور مسلکی اختلاف کی اس فتنہ انگیز تحریک کے علم بردار اس دھوکے میں ہیں کہ ہم دین کی خدمت کررہے ہیں۔

یہ کتنا بڑا مسئلہ اور فتنہ بنتا جارہا ہے؟

اب یہ فتنہ خطرے کی کن حدوں کو چھورہا ہے اس کو دیکھ اور سن کر ڈر لگتا ہے کہ مسلمانوں میں ایک نئی خارجیت تو نہیں جنم لے رہی ہے۔ ایک اہل حدیث کہلانے والے صاحب دیوبندیوں کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> نبی اکرمؐ کے مقابلے میں پیروں فقیروں اور اماموں کی اطاعت کے داعیوں کے پیچھے نمازیں ادا کرنا حرام ہے۔ائمۂ اہل سنت ان کو مرتدین میں شمار کرکے انہیں واجب القتل قرار دیتے ہیں۔

یہ ایک مشہور غالی مقرر جناب توصیف الرحمٰن راشد صاحب کے الفاظ ہیں۔رسالہ کا نام ہے: کیا علماء دیوبند اہل سنت والجماعت ہیں'' اور یہ اس کا آخری حصہ ہے۔یہ رسالہ سعودی عرب کی وزارت دینی امور کے تابع شعبۂ دعوت وارشاد وتوعیۃ الجالیات (السلی) سے شائع ہوا اور اس کو جمعیت اہل حدیث دہلی کے ذمہ دار حافظ شکیل احمد میرٹھی نے اپنے مقدمہ کے ساتھ مکتبہ ''دارالکتب الاسلامیہ'' سے شائع کیا ہے۔

ایسا غلو جو تعصب، تفرقہ اور نفرت انگیزی کی اس حد کو پہنچ جائے کہ مسلمانوں کی تکفیر اور ان کو واجب القتل قرار دے کیا اس کو بھی نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ یہ مسلمانوں میں ایک نئی خارجیت جنم لے رہی ہے۔سارے مسلمانوں کو کافر ومرتد اور واجب القتل تو قرار دے ہی دیا گیا اس کے بعد بس عملاً قتل وخوں ریزی کا بازار گرم ہونے کی کسر رہ جاتی ہے۔ یہ کسر بھی پوری ہوچکی ہے اور قرن اول کے خارجی فتنے کے وارث ''جماعۃ التکفیر والھجرۃ'' کے نام سے عرب ممالک میں پیدا ہوچکے ہیں۔ یہ جماعت سارے مسلمانوں کے قتل کو جائز بلکہ ان کے خلاف جہاد کو فرض قرار دیتی

ہے۔اس غالیانہ نقطۂ نظر کی کتابیں اور رسائل بکثرت تقسیم کیے جارہے ہیں۔مشہور اہل حدیث عالم جناب محمد جونا گڑھی اپنے رسالے ''احناف اور اہل حدیث کا فرق'' میں تقلید اور مقلدین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تقلید شخصی میں گویا امام کو نبی ماننا ہے''۔

آگے فرماتے ہیں:

''اماموں کو ماننا کالی اور بھوانی (ہندوؤں کی دیویوں) کو ماننا ہے''۔

(احناف اور اہل حدیث کا فرق:صفحہ ۸،از جناب محمد جونا گڑھی)۔

یہ بزرگ جماعت اہل حدیث کے پیشوا مانے جاتے ہیں،اسی کا نتیجہ ہے کہ ہزاروں جاہل مقلدین کو کھلے عام مشرک کہہ رہے ہیں۔اور پوری جماعت میں کوئی اس کو غلط کہنے والا نہیں۔

اس فتنے کا سب سے بڑا نقصان:

ہم آپ سب جانتے ہیں کہ اس وقت مغرب کی ایمان سوز تہذیب کا ہر طرف سیلاب آیا ہوا ہے،جدید تعلیم نے اور قہر ڈھادیا ہے۔پوری پوری نسلیں اس سیلاب میں بہی چلی جارہی ہیں۔ اس دور کا اصل کام یہ تھا کہ امت میں ایمان ویقین،فکرِ آخرت اور تقوے والی زندگی پیدا کی جائے۔ایک مرتبہ پھر اسی طرح ایمان اور عبادت پر امت کی زندگی قائم کی جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمائی تھی۔حنفیت کی مخالف اس دعوت وتحریک کا ہمارے نزدیک سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ عوام کو اللہ کے ان بندوں سے بدظن اور متنفر کرتی ہے جو اس بنیادی کام کے داعی ہیں۔اللہ کے جن بندوں کے ذریعے یہ ایمان ویقین،فکرِ آخرت اور تقویٰ،اللہ سے تعلق،عبادت اور ذکر ودعا کی عام دعوت اس پورے برصغیر یعنی ہمارے ہندوپاک،بنگلا دیش اور اطراف کے تمام ممالک میں قائم ہے،یہ تحریک ان سے لوگوں کو کاٹ کر عملا ان کے لیے دینی ترقی واصلاح کے امکان کو بہت کم کر دیتی ہے۔یہی نہیں جو لوگ اس سے متأثر ہو جاتے ہیں عموماوہ عملی زندگی میں دین کے اس درجے سے بھی گر جاتے ہیں جس پر وہ پہلے سے ہوتے ہیں۔

افسوس! ہمارے یہاں تقویٰ، حرام چیزوں سے بچنا، شرعی احکام کی مکمل پابندی، اللہ سے تعلق، عبادت اور ذکر و دعا کا اہتمام جیسی دینی ضرورتوں کی اہمیت ہی نہیں بچی ہے۔ اگر ہم دین کی ان بنیادی چیزوں کو قدر و اہمیت دیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ تقلید کے خلاف اس دعوت کا کیسا نقصان امت کو پہونچ رہا ہے۔ خدارا اس بات کو کسی جماعت و حلقے کی عصبیت کا نتیجہ نہ سمجھیے! اس دنیا میں اگر کوئی طریقہ اپنے دل کی کیفیات کو دوسرے کے سامنے کھول دینے کا ہوتا، یا کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو گیا ہوتا جو دل کے درد کی تصویر بنا دیا کرتا تو یہ عاجز و غریب آپ کے سامنے اس کو لے کر حاضر ہو جاتا۔ میں نے اس تحریک و دعوت کا جو نقصان ابھی ذکر کیا اس کو محسوس کرنے کے لیے بس یہ کافی ہے کہ آپ ان نوجوانوں کا عملی جائزہ لے لیجیے جو تقلید کو اور حنفی مسلک کو غلط اور گمراہی سمجھنے لگے ہیں۔ جن لوگوں کو انہوں نے اپنا دینی رہنما مان لیا ہے ان کو ان کی دینی ترقی کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ نہ سنتوں کا اہتمام ہوتا ہے نہ دعاؤں کا معمول، نہ عبادت اور ذکر کا خیال نہ زندگی میں حرام چیزوں سے بچنے کی فکر۔ بلکہ وہ بے چارے جو کچھ دین پر پہلے سے عمل کرتے تھے اس میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔

بہر حال یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اپنے علاقے کے ان لوگوں سے دور کر دیا جائے جو وہاں ایمان و عبدیت اور تعلق مع اللہ اور تقوے والی زندگی کے اصل داعی ہوں۔

ایک دردمندانہ اپیل:

ہم اپنے اہل حدیث بھائیوں سے پوری دردمندی کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ آپ سب خصوصا وہ حضرات جن کو دین کا تھوڑا سا بھی علم اور سمجھ ہے جانتے ہیں کہ یہ کس قدر سنگین گناہ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جناب میں کیسی خطرناک جرأت ہے کہ ایک ایسی چیز کو حرام قرار دیا جائے جو دین میں فطری طور پر حلال ہے، اور جس کو امت کے تمام علماء میں سے کسی نے آج تک حرام قرار نہیں دیا۔ خدارا تعصب اور مخالفت کے جوش میں ایسا خطرناک گناہ مت کیجیے، اور ایسے وبال کو دعوت مت دیجیے۔ اسی کو دین کی اصطلاح میں اتباع ہویٰ کہتے ہیں کہ آدمی اپنے نفسانی

جذبات اور گروہ بندانہ تعصّبات (Bias) میں ایسا کھو جائے کہ اس کو اس میں بھی کوئی خوف اور باک نہ ہو کہ وہ اتباع شریعت اور عمل بالحدیث کے نام پر ایک ایسی چیز کو حرام کہے جا رہا ہے جس کو قرآن اور حدیث نے جائز رکھا ہے اور جس کو امت میں کسی عالم نے حرام نہیں کہا۔ آپ حضرات کو مزید غور کرنا چاہیے کہ آپ پر اپنے اس مسلک وخیال کی حمایت کا کیسا جوش وجذبہ طاری ہے کہ وہ آپ کو نہ یہ سوچنے دیتا ہے کہ یہ بات امت میں کسی معتبر عالم دین وامام نے نہیں کہی اور آپ امت کی تاریخ میں ایک بالکل نئی بات کہے جا رہے ہیں، اور نہ ان خیالات کی اشاعت سے یہ چیز آپ کو روک رہی ہے کہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں میں کس قدر اختلاف وانتشار پھیل رہا ہے۔ افسوس! ان دونوں میں سے کوئی بات آپ کو اپنے طرز عمل سے نہیں روک رہی۔

اسلامی برادری کے رشتے کی بنیاد پر ہم اہل حدیث کہلانے والے حضرات سے بڑی ہمدردی اور محبت کے ساتھ کہتے ہیں کہ تقلید کے سلسلے میں آپ کا مسلک کتاب وسنت کے دلائل اور سلف اور ائمۂ دین کے خلاف ہے۔ راہ ہدایت واعتدال یقیناً وہی ہے جس پر سلف اور ائمۂ اہلسنت کا عمل رہا ہے۔ عصبیتوں کو چھوڑیے اور دین کی مصلحت کو عزیز رکھتے ہوئے اس صحیح اور حق مسلک کو قبول کر لیجیے جو صحابہ کے دور سے چلا آ رہا ہے، اور بعد کے تمام ائمہ اور محدثین کا بھی وہی مسلک رہا ہے۔

اس امت میں ایک سنگین بیماری حلقوں اور گروہوں کی عصبیت پیدا ہو گئی ہے۔ کسی ایک ہی جماعت کا یہ مرض نہیں ہے۔ ہر جانب تعصب کا دھواں پھیلا ہوا ہے۔ ہم دین کی مصلحتوں سے زیادہ اپنی جماعتوں کی مصلحتوں اور مفادات کے حریص ہو گئے ہیں۔ دین کی خدمت کے بجائے مطمح نظر یہ ہو گیا ہے کہ ہماری جماعت کی تعداد بڑھتی جائے اور ہمارے گروہ کا بول بالا ہو۔ اور پھر دین کا کیسا ہی نقصان ہو ہم اپنی دھُن میں ہی مست رہتے ہیں اور کوئی پکار کوئی آواز ہم کو اپنے رویے پر دوبارہ غور کرنے پر آمادہ نہیں کرتی۔ افسوس!

خدایا! رحم کی فریاد ہے۔ اب بس تیری ہی آس ہے۔ ہائے افسوس! معقول سے معقول بات تعصب اور فرقہ بندیوں کی دیواروں سے سر ٹکرا کے واپس آ جاتی ہے۔ ہم کو یہ سوچنے کی بھی

توفیق نہیں کہ اسلام اور مسلمان کیسے چیلنجوں کا سامنا کر رہے ہیں، شیطانی تہذیب ودعوت کا سیلاب ہر طرف سے امڈا چلا آ رہا ہے، امت میں مال پرستی، خیانت، مکر وفریب، اور آخرت سے بےفکری کی وبا نے لاکھوں کو سیرت وکردار کا پکا منافق بنا ڈالا ہے۔ اور اکثر مسلمانوں کی زندگی صرف گناہوں کی نہیں اللہ ورسول سے کھلی بغاوت و بیزاری کی زندگی ہے۔ اور ہم کو یہ سوچنے کی بھی توفیق نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی امت کتنی کمزور، مظلوم، زخموں سے چور، ذلیل اور زمانے کی ستائی ہوئی ہے، اور ہمارے افتراق نے ہم کو ظالموں اور جباروں کے لیے کیسا آسان تختۂ مشق بنا دیا ہے؟ ہمارے تعصب کا یہ حال ہے کہ صحیح ہو یا غلط سلف اور اہل سنت کے علماء کے موافق ہو یا مخالف ہمارے گروہ اور جماعت کی جو بات چلی آ رہی ہے ہم کو تو بس اسی کی تبلیغ کرنا ہے، اسی کی دعوت دیے جانا ہے، اسی کا پروپیگنڈا کرنا ہے، اور ہر قیمت پر اسی کی حمایت کیے جانا ہے۔

ایسے فتنوں سے بچنا اور عوام کو بچانا ہم سب کا فرض ہے۔ اللھم اھد نا الصراط المستقیم۔

مصنف کی کتاب: ''تقلید اور مسلکی اختلاف کی حقیقت''

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی نظر میں

......اگر چہ کہ اس موضوع پر ایک اچھا خاصا لٹریچر اُردو زبان میں موجود ہے؛ لیکن مختلف جہتوں سے پیش نظر کتاب بالکل منفرد نوعیت کی حامل ہے، ......مؤلف کتاب نے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے نہایت اعتدال کے ساتھ تقلید کی مشروعیت، اس کی ضرورت اور موجودہ دور میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، یہی داعیانہ اُسلوب اور فکر ونظر کا اعتدال اس موضوع پر موجود اکثر لٹریچر سے اسے ممتاز کرتا ہے۔

کتاب کے پہلے باب میں تقلید کی حقیقت اور اس کے درجات پر گفتگو کی گئی ہے، جس میں تقلید کی اہمیت کو بھی بتایا گیا ہے اور اس میں اعتدال کے پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، دوسرے باب میں راہ اعتدال کی نشاندہی کی گئی ہے، جو تمام علماء ربانیین اور خاص طور پر ماضی قریب کے علماء میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا طریق رہا ہے، تیسرے باب میں تقلید پر کئے جانے والے عامیانہ اعتراضات وشبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں، خاص کر عوام کے لئے یہ مضمون انشاءاللہ اکسیر ثابت ہوگا، چوتھا باب اہل علم کے لئے اہمیت کا حامل ہے، جس میں علم بالحدیث کے اعتبار سے فقہ حنفی کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ ایک غلط فہمی لوگوں میں یہ ہے یا پیدا کی جاتی ہے کہ مسلکی اختلاف، فرقہ بندی اور اُمت میں انتشار پیدا کرنا ہے، پانچویں باب میں مصنف نے خوش اُسلوبی کے ساتھ اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے اور فقہی اختلافات کی نوعیت کی عمدہ طریقہ پر توضیح کی ہے، بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ یہ اپنے موضوع پر ایک مفید اور بڑی چشم کشا تالیف ہے اور مصنف اس پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مؤلف کتاب محبی فی اللہ مولانا یحییٰ نعمانی زیدت حسناتہ، ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں، اس خاندان کے سرخیل عالم ربانی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا امتیازی وصف مبنی برحق افکار کی ترجمانی اور افکار باطلہ کی تردید اور کسی رورعایت کے بغیر اس پر تنقید تھا، مولانا یحییٰ نعمانی کو یہ وصف میراث میں ملا ہے، متعدد تالیفات ان کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں جہاد کے موضوع پر لکھی گئی ان کی تحریر تو نہایت اہمیت کی حامل ہے ، دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلم کو تازہ دم رکھے اور ان کے سفر علم وتحقیق کی شام دیر اور بہت دیر سے آئے۔''

(کتاب کے مقدمہ سے ماخوذ)